Date of Publication : 23-06-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 June 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 July 2014
Issue: 25, Vol.:73

یکم تا ۷؍ جولائی ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۲۵، جلد نمبر: ۷۳

اُردو زبان دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں کم سن سہی، لیکن بے بضاعت ہرگز نہیں ہے۔ اس حقیقت کی مظہر اردو کے وسیع دامن میں نثر و نظم کی وہ رنگارنگ کائنات ہے جس میں قومی تہذیب و تمدن اور ادب و ثقافت کی دنیائیں آباد ہیں۔ اس زبان کی مختلف اصناف میں اظہار و ابلاغ، شگفتگی و شائستگی اور شیرینی و معنویت یوں جلوہ نما اور رونق افروز ہے کہ:

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اردو زبان کی تحسین و تمجید و ثنا خوانی سے میں نے اپنی بات کا آغاز کیا ہے تو صرف اس لیے کہ مجھے کہنا ہے کہ جس زبان کے ادب کی ہر صنف میں تخلیق و ارتقا کی ایک مستقل تاریخ ہے وہ زبان 'ادب اطفال' کی تخلیق سے صرف نظر کی کیوں کر متحمل ہو سکتی تھی۔

کی شناخت اور لفظوں کی ساخت سے متعارف کروانے کے بعد الفاظ کے تلفظ اور محل استعمال کا سلیقہ سکھایا جاتا تھا اور بعد میں تحریر و تقریر میں انشا پردازی، معنی آفرینی اور بلاغت کے اوصاف کی پرداخت کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔

تب اور اب میں بڑا بعد ہے۔ بعد زمانی ہی نہیں بعد ذہنی بھی ہے اور زاویہ ہائے نظر کا فرق بھی۔

سابقہ نصف صدی اور حالیہ صدی میں تیز رفتار بدلتے ہوئے حالات نے علوم کو بے پناہ وسعت اور گیرائی دی ہے، جستجو اور تحقیق کا سفر مسلسل اور مستقل طور پر جاری ہے، ایسے میں اظہار و ابلاغ کی نئی راہیں، نئے سانچے، نئے رویے ناگزیر تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد کی نیچرت سے آگہی اور اس سے متاثر و مرعوب ہونا

اُردو میں بچوں کا ادب

اس کے مسائل اور ان کا حل

ڈاکٹر بانو سرتاج (سرتاج ہاؤس، آکاش وانی کے سامنے، سول لائنس، چندر پور 442401، مہاراشٹر)
E-mail: banosartaj@rediffmail.com

ابتدائی ادوار میں مکتبوں اور مدرسوں کی کراست اور ان میں درس کے نظام... جہاں نفسیات کے علم اور اس کے اصولوں کی تدوین کا تصور بھی عنقا تھا وہاں سوچے سمجھے اور طے شدہ مقاصد اور منصوبوں کے تحت نہایت منظم اور مفید طریقوں سے زبان کی تدریس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

بچوں کا ذہنی و جذباتی ارتقا اور ان کی پرورش و پرداخت اور ان کی علمی و عملی استعداد بڑھانے کے لیے کن خطوط پر، کس خلوص اور لگن سے کام کیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس دور کے مکتبوں میں پڑھائی جانے والی کتب، قادر نامہ کی طرز کی نظموں اور کتابچوں بلکہ رسالوں کی نوعیت اور مواد کا مطالعہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔

وہ کتب اور رسالے جو بڑی عرق ریزی سے تخلیق کیے جاتے تھے اس وجہ محدود نہیں تھے جتنی فی زمانہ نصابی کتب ہوا کرتی ہیں۔ ان میں حروف اور اعراب

فطری بات تھی۔ یہ وقت کا تقاضا تھا۔ قدما کے بعد آزاد، حالی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی نے یورپی زبانوں بالخصوص انگریزی زبان کی تقلید اور تتبع میں سادگی اور پرکاری کو مطمح نظر بنایا۔ زبان کو ایک نئی وسعت، وسعت، گیرائی اور لوچ سے آشنا کیا۔ سادہ، رواں، عام فہم نثر اور نظم پڑھنے اور سننے والی جس نے کہیں جذبات، محسوسات اور خیالات و واقعات کی داستانوں کی تحیر انگیز، فرضی اور پُر افسوں و خیالی فضا سے آزاد کر کے زمین پر حقائق کے روبرو لا کھڑا کیا۔

فارسی الفاظ لیکن نحوی کے اس دور میں، ان فن کاروں کے دل روشنی سے معمور تھے۔ انھوں نے جس خلوص، محنت اور لگن سے اعلا تہذیبی اور ادبی قدروں کو سینے سے لگائے رکھا اور اسے ادب کے واسطے سے آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا جتن کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

لیکن جتنی تیزی سے حالات تبدیل ہوئے، جتنی تیز رفتاری سے قوم نے ترقی کے مسائل طے کیے اتنی ہی تیزی سے قومی سطح پر لسانی، تہذیبی اور ثقافتی تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں۔ آزادی کے بعد ملک، قوم کی تعمیر نو اور ترقی کے لیے جس صبر آزما دور سے ہم گزرے اس میں مصروفیت، محنت اور قیام و استحکام کے مسلسل عمل، وقت نے ہم کو کئی اہم اور ناگزیر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مہلت نہیں دی۔ ان میں ایک اہم ترین ذمہ داری تھی نئی نسل کی تربیت۔

کسی بھی قوم میں بچے ہی اس کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی مناسب تعلیم، موزوں خطوط پر تربیت، پرورش و نگہداشت سے ہم تعلیم سے بہرہ مند، ترقی یافتہ اور مفید و کارآمد قوم کی تعمیر کا تصور کر سکتے ہیں۔ زبان و ادب قوم کے بچوں میں ان کی تہذیب و ثقافت اور اعلا اقدار کے تعارف اور شناخت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ آزادی کے بعد قومی سطح پر ادب ایک تعطل اور جمود کا شکار رہا اور اس دوران قوم کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کے قومی کردار کی تشکیل و تعمیر کرنے کے نام پر ان کے لیے ادب کی تخلیق میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ چند ایک رسائل کا اجرا، کچھ کتب کی اشاعت اور اسی طرح کچھ کوششیں اس بڑے مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہیں۔

یہ درست ہے کہ آج بہ ظاہر تعلیم کی ہر طرح کی سہولت ان کو مل رہی ہے اور یہ مسلسل ترقی کی راہ پر قدم بڑھا رہے ہیں، لیکن وہ علم و ذوق جو ان کو آزاد، ذمہ دار، مفید اور کارآمد شہری بناتا ہے کیا یہ علم ان کو ملا ہے؟ اقدار سے وابستگی، دین و مذہب، تہذیب و ثقافت سے واقفیت کے لیے ان بچوں کے لیے بہترین اور موثر ذریعہ ادب ہے، بچوں کا ادب۔

صاحبو! آپ کے ذہن میں یہ سوال یہ حیرت ناک یقیناً ابھرا ہے کہ کہاں بچوں کا بلا چھاپا، کلکاریں مارتا، قلانچیں بھرتا تفریحی ادب اور کہاں اس مقالے کا گمبھیر رخ! تو مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ مجھے بچوں کے ادب میں پیش آمدہ مسائل کی وضاحت موجودہ حالات، ضروریات اور تاریخی پس منظر کے حوالے سے کرنی ہے، اسی لیے یہ ابتدائی تفصیل ناگزیر تھی۔

ہماری زبان میں بچوں کے ادب کی تخلیق ہر دور میں ہوئی ہے۔ مختلف عوامل اور حالات کے پیش نظر اس کی کمیت اور کیفیت بھی افراط و تفریط کا شکار رہی ہے، لیکن آزادی کے بعد اور خصوصاً موجودہ دور میں یہ مسائل کی کھیپ اپنے ساتھ لائی ہے۔

ادب اطفال میں رسائل اور بعض یا نئی کتابوں کے واسطے سے خاصی تخلیقات منظر عام پر آئیں، بعد ازاں اس رجحان میں اضافے کے ساتھ ساتھ

بچوں کے لیے کہانیوں، نظموں اور ڈراموں وغیرہ کے مجموعے بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ آج بھی بچوں کے ادب کی تخلیق کاروں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ ناموں کی تفصیل میں گئے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ بے شمار مصنفین نے راست یا بالواسطہ طور پر اپنی تخلیقات میں بچوں کی دل چسپی اور شوق کے پیش نظر ان کی تعلیمی اور تربیتی ترقی کے لیے کسی نہ کسی نوع اپنے فرض کو انجام دیا ہے۔

بچوں کے ادب کی تخلیق، ادب کی دوسری اصناف کی طرح خون کا اخراج مانگتی ہے۔ اس کے لیے عرق ریزی اور جگر کاوی اولین شرائط ہیں۔ ہر بڑے ادیب نے بچوں کے لیے ان کے دل چسپ موضوعات پر لکھنے کے لیے وقت دیا ہے۔ کچھ بڑے ادیبوں نے تو اس کام کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ پھر ایک طویل مدت تک سینکڑوں مصنفین کی مسلسل کاوشوں کے بعد بھی آخر منظر کیوں نہیں بدلا ہے؟ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ نسل صحت مند اقدار اور تہذیبی اور ثقافتی قدروں سے اس قدر بہرہ مند نہیں ہے جتنی ہم نے توقع کر رکھی تھی۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اپنا وقت، اپنی توانائی، اپنی ذہانت اور بہترین صلاحیتوں کو اس میدان میں صرف کر کے بھی یہ مصنفین نامقبول (کم از کم بچوں کے ادیب کی حیثیت میں) اور ان کی سعی نامشکور رہتی ہے۔ کوئی اکادمی، کوئی بیورو، کوئی انجمن یا کوئی بورڈ انھیں سند تحسین سے نوازتا ہے، مالی امداد یا تعاون دیتا ہے، انعام دیتا ہے اور بس!

لیکن یہ تخلیق کار بے اطمینان، ناکام ہیں۔ ان کا رویہ معذرت خواہانہ ہے کہ بھائی ایک کام ہے، بہتر ہے سوچ کر کیا تھا لیکن ہمیں صلہ کیا ملا؟ مراد یہ ہے کہ قلم کاروں کی جانب سے پذیرائی ہوئی، اکادمی، انجمن، اداروں کی جانب سے عزت افزائی ہوئی لیکن جن کے لیے یہ ادب تخلیق کیا گیا تھا ان کا رد عمل؟ وہ جن کے ذوق و شوق، جن کی عمر، جن کی ضرورت اور جن کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر یہ ادب تخلیق کیا گیا ان کی جانب سے کوئی داد و تحسین، قبولیت و پذیرائی تو کجا، کوئی ہلچل نہیں۔ یہ خاموشی کیسی ہے؟ اس خاموشی کا جواز کیا ہے؟

آیئے اس طویل اور پُر اسرار خاموشی کے اسباب پر غور کریں کہ یہی مسئلہ ہے، یہی بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کے جواز کی تلاش کے نتیجے میں مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، اولاً تو یہ کہ یہ تخلیقات ان بچوں تک نہیں پہنچتیں، دوم ان تخلیقات کی زبان، طرز بیان اور مضمون بچوں کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔ ممکن ہے آپ میں سے کوئی کچھ ایسے اعداد و شمار پیش کرنے کے موقف میں ہوں جہاں بچوں نے ان تخلیقات کو خریدا اور پڑھا بھی ہو، لیکن مستثنیات کسی اصول کی تدوین نہیں کرتے، واقعے کو حقیقت میں بدل دینے کا جواز نہیں رکھتے۔

اردو زبان کا مصنف اپنی آمدنی کا بڑا حصہ پس انداز کر کے خوش قسمت رہا تو اکیڈمی یا کسی بیورو کے جزوی مالی تعاون سے (اور یہی صاحب کتاب کہلانے کے عالی شوق میں) کبھی کوئی کتاب/مجموعہ چھاپ لینے کی ہمت کر بیٹھتا ہے تو اسے ان جلدوں کی نکاسی کے لیے کن عذابوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ خطوط، یاد دہانیاں، ملاقاتوں کا ایک نا تمام سلسلہ۔ ان مجموعوں/کتابوں کی نکاسی کے لیے وہ راست اسکولوں کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کرتا اور بڑھاتا ہے۔ وہاں ذمہ داروں کا رویہ اور رد عمل بھی غور کرنے کا وقت مانگتا ہے۔

اب بھلا ان بچوں کی رسائی اس ادب تک کیسے ہو؟ اسکولوں، لائبریریوں میں کتابیں جاتی بھی ہیں تو پڑھی کتنی جاتی ہیں؟

دوسری جانب بچوں کا معصومانہ رویہ ہے کہ ان کو علم نہیں کہ ادب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی افادیت ہے؟ ان کے لیے اہل اور مخلص قلم کار کس درجہ لگن، محنت اور ہمدردی کے ساتھ اپنا وقت دے رہے ہیں۔

جو 'ادب اطفال' کی تخلیق میں اپنی اپنی کوششیں کیے جارہے ہیں ان میں سے کوئی صاحب کتاب ہوئے، کوئی انعام یافتہ قرار پائے، کوئی بچوں کے ادیب کہلائے... لیکن کیا ادب کی تخلیق کا یہی مقصد ہے؟ کیا ایک نسل کی تربیت کرنے والا ادب ایسے ہی سلوک اور پذیرائی کا سزاوار ہے؟

ادب اطفال تو مزید کئی مثبت مقاصد رکھتا ہے۔ یہ صرف باذوق نہیں راہنما بھی ہے، یہ بچوں میں زبان و ادب کے لیے شوق و دل چسپی کو بڑھاتا ہے، ان کے ذوق کی پرداخت کرتا ہے، تفریح کا سامان کرتا ہے، بچوں کا دوست اور رفیق ہے۔

انگریزی ادب میں، آپ میں سے بہتوں کو علم ہوگا کہ بڑے اشاعت گھر مختلف کتابوں کی اشاعت سے قبل ان کی درجہ بندی کو اشاعت کا جزو لازم قرار دیتے ہیں بلکہ ہر مخصوص درجہ یا گریڈ کے لفظیات کے تحت انھوں نے فن کاروں کو بچوں کا ادب تخلیق کرنے کے کام پر مامور کر رکھا ہے، مثلاً کتابوں کا ایک سیٹ یا سیریز اُن بچوں کے لیے ہوتی ہے جن کا ذخیرہ الفاظ 1000 الفاظ تک محدود ہے، بعدہٗ 2000 یا 3000 الفاظ اور اسی طرح آگے تک کے ذخیرۂ الفاظ پر مشتمل کتابوں کی اشاعت ہوتی ہے اور اسی درجہ بندی کے تحت کتابیں بازار میں اسٹینڈز (کتاب گھروں) پر فروخت ہوتی ہیں۔ وہاں اشاعت گھروں کو علاوہ دوسرے ذرائع تشہیر، اشتہارات دینے اور دوسرے رسالوں اور اخبارات کے ذریعے تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مغربی ممالک میں Stands کے منتظم، بڑی عمر کے قاری، لائبریرین اور اساتذہ ضرورت پڑنے پر ان کی رہنمائی کرتے ہیں، مشورہ دیتے ہیں۔ ہماری لائبریریوں میں منتظمین سال میں ایک آدھ بار کتابوں پر جمی گرد جھاڑتے ہیں۔ بک اسٹال یا اسٹینڈ سنبھالنے والے کم علم ہوتے ہیں، جنھیں خود علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بیچ رہے ہیں۔ جن کتب و رسائل کو وہ فروخت کے لیے اٹھائے ہوئے ہیں وہ کن کے لیے ہے اور اگر بچوں کے لیے ہے تو کس عمر کے بچوں کے لیے ہے؟

ہم نے غیر ملکی زبانوں کے ادب سے خوشہ چینی کی، استفادہ کیا اور کر رہے ہیں، یہ زندہ زبان کے سرمایے میں اضافے کے لیے ضروری بلکہ مستحسن اقدام ہے، لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر ان زبانوں کے مصنفین کی قائم کردہ صحت مند اور مفید مطلب روایات اور اشاعت گھروں کی حکمت عملی کو بھی اپنالیا جاتا۔

اب آئیے دوسرے مسئلے کی طرف... یعنی رسائل اور کتب کی زبان، طرزِ بیان اور مضمون کے پہلو کی طرف!

بچوں کا ادب کا کیف و کم، چند شرائط کا پابند اور مخصوص معیارات کے برتنے کا متقاضی ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا ادب تخلیق کرنے کے لیے جس جگر کاوی اور دل سوزی کی ضرورت ہوتی ہے شاید اس سے کہیں زیادہ غور و فکر، محنت اور عرق ریزی بچوں کے لیے ادب پارے تخلیق کرنے میں ہوتی ہے۔

کسی دوسری زبان، قوم یا خطے کے ادب پاروں کو اپنی زبان میں منتقل کرنا بھی ایک صبر آزما کام ہوتا ہے۔ تخلیق کو سمجھنا، اس کے مقصد کو سمجھنا اور اسے سہل، رواں اور موثر لیکن آسان و عام فہم زبان میں پیش کرنا بھی اتنا ہی اہم کام ہے جتنا تخلیق کرنا۔ ترجمہ نہ کر کے متن کا اخذ کرلیا جانا بھی صحت مند اقدام ہے کہ اپنے جانے پہچانے ماحول میں کہی گئی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

بچوں کے ادب میں، خواہ وہ کسی واسطے سے، کسی بھی شکل میں بچوں تک پہنچ رہا ہو، توازن اور اعتدال اور منطقی تعلق (کم ترین درجے کی ایمائیت) ہونا لازمی ہے خواہ کتنے ہی مصنف و قلم کار اس کام میں لگے ہوں، اس میں درجہ بدرجہ ارتقا کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ ایک طے شدہ اور مربوط اسکیم کے تحت قلم کار اس طرح ادب کی تخلیق کریں کہ گزرے عہد اور موجودہ عہد کے مختلف فن کاروں اور ادبا کی تخلیقات میں موضوع، مواد اور زبان کے لحاظ سے درجہ بدرجہ ارتقا کی واضح طور پر نشان دہی کی جاسکے، خصوصاً بچوں کی عمر اور ذہنی صلاحیت کے پیش نظر لفظیات اور ان کی تعداد متعین ہو تو یہ بہترین منطقی ربط پیدا کرے گا۔

حالیہ زمانے کے ادب میں اس منطقی ربط کا فقدان ہے۔ ہر تخلیق ایک مخصوص مقصد کو حل کرتی ہے لیکن تمام تخلیقات کے درمیان مقصدی ہم آہنگی مفقود ہے۔ ایک انتشار ہے، بے ترتیبی ہے۔ بچوں کی عمر (Chronological Age)، ذہنی عمر (Mental Age)، دل چسپیوں (Interest) اور انفرادیت (Individual differences) کے پیش نظر کوئی غالب سوچ نہیں، کوئی اسکیم، کوئی منصوبہ بندی نہیں۔ مختصراً یہ کہ پورے ملک میں کم از کم اردو زبان کے فن کار جو ادب تخلیق کر رہے ہیں ان میں اشتراکِ عمل اور ہم آہنگی نہیں۔

کبھی کسی رسالے میں چینی کہانیوں اور لوک کہانیوں کے خوب صورت ترجمے ہیں تو کسی دوسرے رسالے میں برطانیہ یا روس کے لوگوں اور بچوں کے تعلق سے مضمون اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی مشترک قدر نہیں۔ نتیجتاً بچے ادب سے کچھ اچھی اور مطلوب و متوقع باتوں کے اخذ و اشتقاق کے عمل میں (لاشعوری طور پر) مصروف ہیں کہ ان کا سابقہ انگریزی یا روسی یا ہندوستانی تہذیب کی اچھی قدروں سے پڑتا ہے۔ تینوں چاروں کے درمیان کوئی مشترک قدر اخذ کرنے میں ان کا خام ذہن ناکام ہوتا ہے نتیجتاً وہ سبھی اچھی باتوں کو ایک کشمکش کی زد میں چھوڑ کر بھول جاتے ہیں۔

اس اخذ و اشتقاق کے عمل میں زبان اور الفاظ بھی رکاوٹ بنتے ہیں کہ ہر رسالہ بچوں کے معیار ذہنی کے مطابق ایک مخصوص سطح پر آ کر سادہ و سلیس زبان کا استعمال کرتا ہے، لیکن چوں کہ رسائل و کتب کی زبان میں کوئی منصوبہ بند سوچ کام نہیں کر رہی ہوتی ہے اس لیے ایک ہی عمر کے بچے ایک وقت میں کسی رسالے کی زبان کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے بچے اس کے سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

محمد حسین آزاد اور ان کے مکتب فکر کے فن کاروں نے ایک ہی زبان اور ایک طرز کے لفظیات کو نصابی درجہ دیا تو ادبی زبان اس مکتب فکر کے تحت بھی قلم کاروں نے اپنائی تھی۔ کیا اب اس دور کا اشتراک اور ہم آہنگی ممکن الحصول نہیں؟

"ایک وقت کا ذکر ہے" اور "کسی شہر میں تھا ایک بادشاہ" "ہمارا تمہارا خدا بادشاہ" وغیرہ قبیل کی داستانوں اور کہانیوں کا دور گزر چکا، ہم اکیسویں صدی میں قدم رکھتے جارہے ہیں۔ چاند پر فتح کے بعد ہم تسخیر کائنات کے دوسرے مرحلوں میں ہیں، لیکن کہانیاں ہم اب بھی وہی لکھتے اور سناتے ہیں جنھیں دادیاں اور نانیاں بچوں کو سنایا کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ ان کہانیوں کا بوجھل پن اور ان کی زبان کی یکسانیت بچوں کے لیے لوری کا کام کرتی تھی۔

درست ہے کہ دیووں، پریوں، اڑن کھٹولوں، انصاف پسند یا ظالم بادشاہ، شہزادیوں اور کاٹھ کے گھوڑوں کے حصار میں قید کہانیوں کی افادیت اور اہمیت بہت چھوٹے بچوں کے لیے آج بھی مسلّم ہے لیکن بعد کی اخلاقی اور سبق آموز کہانیاں اپنی زبان اور طرزِ بیان کی وجہ سے بوجھل اور بے کیف ہو جاتی ہیں۔ وہ بچوں کو بیدار کرنے، انھیں میدان عمل میں اتر آنے کے لیے حوصلہ نہیں دیتیں۔ مشہور فلاسفر روسو نے بچوں کے لیے صرف ایک کتاب رابن سن کروسو پڑھنا تجویز کیا تھا کہ اس کے ذریعے بچے کو زندگی جینے کا حوصلہ ملتا ہے... زندگی سے جوجھنے کا سلیقہ ملتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

تحقیق و تعارف

اردو کے دو قدیم ومعروف رسالے

سید طلحہ نقشبندی القادری (کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ، بالاپور، ضلع آکولہ، مہاراشٹر)

لاھور اردو زبان وادب کے قدیم ومعروف رسالوں اور مجلوں کا اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں سے ادبی دنیا، نقوش، نیرنگ خیال، عالم گیر، طریقت، مشیر الاطبا، مسلمان، کارواں، ہمایوں، الہدیٰ، شاہکار، وغیرہ وغیرہ اعلا معیاری رسائل وجرائد نکلتے رہے ہیں۔ میں مشہور کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ بالاپور (مہاراشٹر) میں قدیم اخبارات ورسائل ومجلات کے فائل دیکھ رہا تھا کہ میری نگاہ لاہور کے دو اہم رسالوں کے خاص نمبروں پر پڑی، ایک 'ادبی دنیا' ۱۹۳۴ء کا 'نوروز نمبر'، دوسرا 'نیرنگ خیال' ۱۹۳۲ء کا سالنامہ۔ دونوں خاص نمبروں میں اردو زبان وادب کے صف اول کے معروف لکھنے والوں نے حصہ لیا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے روشناس کرایا جائے تاکہ اس طرح پرانی یادیں پھر تازہ ہو جائیں۔

(۱) 'نیرنگ خیال' — سالنامہ، عید نمبر نکالنے میں بہت مشہور تھا۔ ان نمبروں کے علاوہ 'نیرنگ خیال' نے 'ادبائے قدیم کے نگارشات نمبر'، 'اقبال نمبر' وغیرہ بھی بڑے اہتمام سے شائع کیے تھے۔ انشاءاللہ کسی اور موقعے پر ان نمبروں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ جنوری ۱۹۳۲ء کا سالنامہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے۔ وہ رسالہ سائز کے 230 صفحات پر مشتمل لاجواب گیٹ اپ، خوب صورت نئی بیلوں سے سجا سرورق بڑا دل کش ہے۔ اس کے اڈیٹر حکیم محمد یوسف حسن وکٹوریہ پرنٹنگ ریلوے روڈ سے چھپا کر دفتر 'نیرنگ خیال' شاہی محلہ لاہور سے شائع کیا کرتے تھے۔ اس خاص نمبر سالنامے کے لکھنے والے اور اس میں شامل اہم مضامین ومنظومات یہ ہیں:

حصۂ نثر: ■ باقیات از مولانا عبدالمجید سالک اڈیٹر روزنامہ 'انقلاب' لاہور ■ یادِ ایام حضرت فانی از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ ■ نگار کے تین جام از وجی رضوی(?) ■ کوہ نوری کی سیر از محمد بدرالاسلام خلیلی(?) ■ ایک راجپوتی تحفہ محبت از ظفر قریشی دہلوی ■ علی گڑھ کی کالج لائف از محمد عزیز صاحب جنگ ■ تعاقب خیال از لطیف احمد عرف (ل۔ احمد) اکبرآبادی ■ لالہ سری رام کا کتب خانہ از سید فرید جعفری مچھلی شہری ■ نوجوانان قوم کی تعلیم وتربیت از محمد عبدالعلیم صاحب جنگ ■ شہزادی از حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی ■ یا ایہا المنافقون از میر ولی اللہ ادیب الہ آبادی ■ قدیم دیہاتی تمدن اور اس کے بربادی کے اسباب از سید نجم الدین احمد جعفری، علی گڑھ ■ ناکارہ از حضرت ناکارہ ■ سیاح چینی کا خط اپنے چینی شوہر کے نام از اختر حسن جوب اسماعیل مدراسی ■ شعر اودی کا چپہ(?) از جناب غلام عباس صاحب سب اڈیٹر 'پھول' ■ ندرا(?) از سید انیس الدین احمد رضوی ■ حسن کا نظریہ شاعری اور مولانا حالی کی تشریح از محمد حسین ادیب، حیدرآباد ■ گنگروں کی(?) از شیخ محمد عمر فاروق ■ ڈگ رانی از پروفیسر تاجور ■ صبح دل کشا از حضرت دیوانہ بریلوی ■ شکست از پروفیسر رشید احمد صدیقی ■ نقد الشعر ہند قدیم میں از حامد اللہ افسر ■ چینی کی انگوٹھی از جناب مرزا عظیم بیگ چغتائی۔

حصۂ نظم: ■ سانیٹ از اختر شیرانی مدیر 'خیالستان' ■ سوز ناتمام از حامد علی خاں مدیر ہمایوں ■ غزل از شارق دہلوی ■ شاہباز سخن از مولوی برکت علی صاحب ■ قصہ پاری(?) از اظہر علی خاں اثر رامپوری ■ زحمت تغزل از حضرت ریاض خیرآبادی ■ حسن یگانہ از مرزا یگانہ ■ تہیب(?) از ذوالفقار علی بخاری، شملہ ■ حسن تخیل از شیخ عبداللطیف تپش ■ میرے ماضی کی یاد از حضرت سیماب اکبرآبادی ■ غزل از اصغر گونڈوی ■ انجام ہستی از آرزو انصاری مالیگاؤں ■ گنج بہار از شکور احمد رضا اکبرآبادی ■ شاعر وادوِ حشر کے جاتے از روشن دین(?) ■ تلاش از ظفر عمری ■ غزل از بادی مچھلی شہری ■ یاد ہے از حرم(?) دیکھ کے از بسمل بدایونی ■ غشی از مجید ملک ■ شکست از حضرت میکش اکبرآبادی۔

(۲) 'ادبی دنیا' — مشرق ومغرب کے جدید وقدیم ادبیات کا نامور ومعیاری مرقع 'ادبی دنیا' کا ابتدائی دور اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے کافی مشہور رہا ہے۔ اُس زمانے میں 'ادبی دنیا' کا سائز ہفتہ وار اخبارات کی طرح بڑی سائز کا تھا۔ جلد ۶، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۳۴ء کا 'نوروز نمبر' اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس کا سرورق خوب صورت گیٹ اپ میں بڑا دل کش ہے۔ علامہ تاجور نجیب آبادی اس کے اڈیٹر اور جسٹس سر عبدالقادر اس کے سرپرست رہے ہیں۔ اس کے پرنٹر و پبلشر ایم۔ بادی حسن اختر جو رفیق عام پریس واقع ریلوے روڈ لاہور سے چھپا کر دفتر 'ادبی دنیا' واقع کشمیر بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور سے شائع کیا کرتے تھے۔ اُس دور میں اس کا سالانہ چندہ پانچ روپے اور اس خاص نمبر کی قیمت صرف دو روپے تھی۔ یہ نوروز نمبر بڑی آب وتاب سے شائع ہوا تھا۔ علمی وادبی حلقوں میں یہ کافی مقبول ہوا تھا۔ اس نوروز نمبر کے تحقیقی وعلمی مضامین نثر ونظم یہ ہیں:

■ وحدت سے خطاب (نظم) از علامہ تاجور نجیب آبادی ■ زمانۂ قدیم میں ذمہ داری کا مفہوم (نثر) از ڈاکٹر علی سر شاہ سلیمان ■ ہندو کا ایک بھولا ہوا افسانہ (نثر) از علامہ عبداللہ العمادی ■ غزل از مولانا رضا علی وحشت ■ بود ونمود (مضمون) از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ■ الف لیلہ (افسانہ) از مرزا محمد سعید صاحب دہلوی ■ صحبت شب کی ایک جھلک (کہانی) از حضرت راشد الخیری دہلوی ■ خیالات (طنزیہ) از میاں بشیر احمد اڈیٹر 'ہمایوں' ■ پرانا دلی کالج (تذکرہ) از مولانا سید مقبول احمد صمدانی ■ آخری تحفہ (نظم) از حضرت وقار انبالوی ■ شہزادی کا قید خانہ (افسانہ) از مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی ■ خیام کا سال وفات (تحقیق) از علامہ سید سلیمان ندوی ■ آخری فرعون (ڈرامہ) از حکیم احمد شجاع ■ تاریخ الفخری (تعارف) از ڈاکٹر زبید احمد ■ روشنی (افسانہ) از منشی پریم چند ■ جام زہر (نظم) از روش صدیقی جوالا پوری ■ افسوس (مناجات) از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ■ غزل از مولانا حسرت موہانی ■ عشق ناز (ڈرامہ) از محمد عمر اور نورالٰہی ■ تعلیم اور ہمارے مدرسے (نثر) از ڈاکٹر ذاکر حسین ■ مدارج حیات (نظم) حضرت ظفر ہریانوی ■ دوسری شادی (کہانی) از حامد اللہ افسر ■ غدر سے پہلے لکھنؤ کے شاہی کتب خانے اور مطبعے از پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ■ آخری کاوش(?) (افسانہ) از لطیف احمد (ل۔ احمد) اکبرآبادی ■ سیدگل (غزل) از حضرت صفی لکھنوی ■ اردو کا اولین رسالہ (تحقیق) از پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ■ بدحواسی (کہانی) از زین العابدین سجاد میرٹھی ■ احترام حسن (نظم) از پروفیسر اکبر حیدری دہلوی ■ تمر دمشق کی تاریخ (تحقیق وتاریخ) از مولانا محمد اسلم جیراجپوری ■ فرضی شوہر (ڈرامہ) از منشی مہدی حسن احسن لکھنوی ■ غزل از یاس یگانہ(?) ■ شعر وداستان وغزل (مضمون) از سید علی حیدر طباطبائی ■ غزل از سراج لکھنوی جوائنٹ اڈیٹر 'مبصر' ■ نورجہاں اور جہانگیر (تصویری نظم) از مولانا یوسف رشتاری(?) ■ ہندوستانی (نثر) از ڈاکٹر تارا چند ■ ایک شمع کے دو پروانے از مولانا مشتاق علی خاں تحسین رامپوری ■ قائد قوم سے خطاب (نظم) از آشفتہ لکھنوی اڈیٹر 'مبصر' ■ اختلافِ بین الاسلام (نثر) از مولانا خلیل الرحمٰن مولف 'تاریخ اندلس' ■ غزل از مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی ■ دو بچے (طنزیہ) از مولانا منصور احمد ■ غزل از حضرت اختر انصاری دہلوی ■ اردو رسائل زبان کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں (تاریخی وتحقیقی مضمون) از مولانا احسن مارہروی ■ ہندوئی (ظریفانہ خط) از مولانا ممتاز حسین ■ غزل از سید سجاد حیدر مصنف 'خیالستان' ■ یادِ رفتگاں (یادیں) از سر عبدالقادر ■ بچوں کی تعلیم میں والدین کی ذمہ داری (نثر) از شیخ نورالٰہی ■ غزل از مولانا صفی علی خاں جوائنٹ اڈیٹر 'ہمایوں' ■ کلام میر (تبصرہ) از مولانا تسیم(?) ابوالعلا ناطق لکھنوی ■ ہندوستان کا نظام حکومت از مولوی محمد یعقوب ■ چاند رات(?) (کہانی) از منشی کنہیا لال اڈیٹر 'چاند' الہ آباد ■ ہندی اردو یا ہندوستانی (مضمون) از ڈاکٹر گوکل چند نارنگ ■ کیا ہوں میں (نظم) از اصغر گونڈوی ■ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور اس کی تدبیر از مرزا بشیر الدین ■ دریں مل (شاعری) از سید علی اختر رامپوری ■ پیسے کو تیما(?) (کہانی) از مولانا سید ناصر نذیر فراق دہلوی ■ ادبی دنیا (مناجات) از ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ■ غزل از پروفیسر سید محمد ضامن علی ■ آفتاب (شاعری) از لالہ تلوک چند محروم ■ عرب کی شاعری سے تعارف (نثر) از پروفیسر مولانا سید محمد حسین ■ بھولنے والے (شاعری) از مولانا حضرت رہنائی مدیر 'نیرنگ' دہلی ■ کلام اسلاف (اخلاقیات) از مولانا سید حشمت علی سبزواری ■ ریشم کا دھاگا (افسانہ) از سید ابن الحسن فکر ■ دارالعلوم دیوبند (بنیاد وخدمات) از مولانا قاری محمد طیب وغیرہ۔

تصاویر: معروف ومشہور ادبا، شعرا اور نوابین کی قدیم ویادگار تصاویر اس خاص نمبر میں ہم نے دیکھی ہیں۔ ان کے نام آپ کی دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہیں: سر شفیع علی خاں، سر مسعود، جسٹس شاہ سلیمان، ڈاکٹر گوکل چند، مولوی محمد یعقوب، سر

(بقیہ صفحہ ۔۔ پر)

اردو دُنیا

پہلی بار آسنسول کے کالجوں میں

اردو کی خالی اسامیوں پر تقرری کا امکان

آسنسول (۵ارجون)۔ مغربی بنگال کالج سروس کمیشن نے اسسٹنٹ پروفیسروں کی تقرری کے لیے جو میرٹ پینل لسٹ شائع کی ہے اس سے آسنسول کے کالجوں میں سوائے بی بی کالج آسنسول کے اردو اسسٹنٹ پروفیسروں کی تقرری ہونے کا قوی امکان ہے۔ مغربی بنگال میں یہ پہلا موقع ہے کہ نئی حکومت (ترنمول کانگریس) کے آنے کے بعد کالجوں میں اردو اساتذہ کی تقرری ہونے جارہی ہے۔ ویسٹ بنگال کالج سروس کمیشن نے جو میرٹ پینل لسٹ شائع کی ہے وہ اس طرح ہے: ارشاد عالم، محمد منظور عالم، ڈاکٹر کفیل احمد نسیم، محمد فاروق اعظم، فرزانہ شاہین، جمشید احمد، فریدہ انور، سہ تبسم (او بی سی)، عبدالقیوم عبدل، محمد شمشیر عالم (او بی سی) اور بانگیلی رام (ایس سی)۔

مذکورہ امیدواروں کی کونسلنگ ۲۷رجون کو ہونے جارہی ہے۔ معتبر ذرائع سے ملنے والی خبر کے مطابق جنرل میں ۵، او بی سی میں ایک اور ایک ایس ٹی کے لیے جگہیں خالی ہیں۔ ان میں سے ایک سیٹ کولکاتا کے ایک کالج کے لیے جب کہ بقیہ تمام اسامیاں آسنسول کے کالجوں کے لیے ہیں۔ (آبشار، کلکتہ)

اردو کی نصابی کتابیں اب تک دستیاب نہیں

کولکاتا (۳۰رجون)۔ کولکاتا کے تمام اسکول کھل گئے اور پڑھائی بھی شروع ہوگئی مگر افسوس کہ اردو اسکولوں کے پرائمری سیکشن میں اردو کتابیں اب بھی نہیں پہنچیں جس کے لیے مغربی بنگال اردو اکاڈمی کو مورد الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ تمام زبانوں کی کتابیں اسکولوں میں دستیاب ہوگئیں مگر اردو کی کتابیں ہنوز عدم دستیابی کا شکار ہیں۔ اس سلسلے میں اکاڈمی کے نائب چیئرمین ڈاکٹر منال شاہ القادری نے غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا کہ اکاڈمی پہلے تمام درجات کی کتابوں کو شائع کرتی تھی اور تمام اسکولوں میں کتابیں تقسیم کرتی تھی لیکن گزشتہ سال حکومت کی طرف سے کہا گیا تھا کہ اکاڈمی کو اردو کتابیں شائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنے طور پر یہ کتابیں شائع کرے گی جس کے بعد اکاڈمی کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ پھر حکومت کی طرف سے جو کتابیں شائع کی گئیں اسے ماہرین نے مسترد کردیا تھا اور اس میں ردوبدل کرکے دوبارہ شائع کرنے کے لیے کہا گیا تھا اور تاخیر اسی وجہ سے ہوئی۔ لیکن اس میں غلطی کس کی ہے کس کی نہیں یہ تو الگ بات ہے لیکن یہاں مسئلہ اردو اسکولوں کے بچوں کا ہے جنھیں اب تک مختلف مضامین میں اردو کی کتابیں نہیں ملیں۔ اس وقت یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آخر حکومت کی طرف سے کیسے اردو کی کتابیں مرتب کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی اور ان کتابوں میں ایسا کیا تھا جسے ماہرین نے مسترد کردیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کتابوں کو شائع کرنے سے پہلے اس کا مسودہ ماہرین کو پیش کیا جاتا اور اس میں جو کچھ ترمیم کی ضرورت ہوتی اسے کردی جاتی اور کتابیں شائع ہوکر وقت پر پہنچ جاتیں۔ اب جب کہ رواں تعلیمی سال کا چھٹا مہینہ شروع ہوچکا ہے اور کتابیں ہنوز عدم دستیاب ہیں ایسے میں اردو اسکولوں کے طلبہ و طالبات کتابوں کے بغیر کیسے تعلیم حاصل کریں؟

(آبشار، کلکتہ)

خالی اردو اسامیوں کو پر کیا جائے

کریم نگر (۲۹رجون)۔ ضلع کریم نگر کے ڈی ایڈ، بی ایڈ تربیت یافتہ امیدواروں نے جناب سرور شاہ جیاپانی اور جناب افضل محی الدین کی قیادت میں ایک وفد کی شکل میں رکن اسمبلی کریم نگر جناب گنگولا کملاکر سے ملاقات کی اور ریاست میں ٹی آر ایس حکومت کے قیام اور عام انتخابات میں ان کی کامیابی پر مبارک باد پیش کی۔ اس موقع پر وفد کی جانب سے انھیں اردو میڈیم مدارس میں اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقرر کے لیے کوشش کرنے پر زور دیا۔ اس سلسلے میں رکن اسمبلی کو ایک یادداشت پیش کرکے جناب افضل محی الدین نے ضلع کریم نگر میں موجود خالی اسامیوں کی تفصیلات سے انھیں واقف کروایا اور بتایا کہ ضلع میں جملہ 60 اسامیاں خالی ہیں اس کے علاوہ مزید 60 اسامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ تفصیلات کی سماعت کے بعد رکن اسمبلی کریم نگر نے وفد کے ارکان کو یقین دلایا کہ وہ اردو مدارس کے مسائل بشمول خالی اسامیوں پر تقرر کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ (اعتماد، حیدرآباد)

اودے پور میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کا قیام

اودے پور، راجستھان (۲۸رمئی)۔ او ٹی سی، واقع ڈاکٹر ثروت خاں کی رہائش گاہ پر جناب عابد ادیب کی صدارت میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ اودے پور میں قائم کیے جانے کے سلسلے میں ایک میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس میں ڈاکٹر ثروت خاں نے انجمن ترقی اردو کے اغراض ومقاصد پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اودے پور میں انجمن نے ماضی میں اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا اور اردو زبان کے فروغ میں اہم رول ادا کیا۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اہل اودے پور کی جانب سے یہ مسلسل کوشش کی جاتی رہے گی کہ انجمن کو فعال بنانے کے لیے ہر ممکن مرحلہ بآسانی طے ہوتا رہے اور پیش رفت برقرار رہے۔

میٹنگ میں باقاعدہ انجمن کی اودے پور شاخ کے عہدیداران کا اعلان کیا گیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سرپرست: جناب عابد ادیب، ڈاکٹر بے کے نامکیہ

صدر: ڈاکٹر ثروت خاں

نائب صدر: پروفیسر زینب بانو، جناب مانک آریہ، ڈاکٹر ہریش تمریا

سکریٹری: پروفیسر پریم سنگھ بھنڈاری

جوائنٹ سکریٹری: ڈاکٹر شوکت خاں، جناب مشتاق چنچل، ڈاکٹر ذوالفقار علی

ٹریزرار: جناب شنکرلال چودھری

پبلسٹی سکریٹری: پروفیسر نندا چودھری، جناب وریندر سنگھ

معزز ممبران: محترمہ زہرہ خان، جناب مظہر حسین، ڈاکٹر تسنیم خانم، ڈاکٹر اسپا سنگھ، ڈاکٹر اسے چودھری، ڈاکٹر [illegible]، ڈاکٹر ترانہ پروین، ڈاکٹر سونا جاجرہ، ڈاکٹر فرحت بانو، ڈاکٹر حنا خان، ڈاکٹر صبا خان، جناب تابش عظیم خان اور جناب سعید خان۔

اقامتی اردو میڈیم جونیر کالج انگریزی میڈیم میں تبدیل

آندھرا اور تلنگانہ میں اردو دشمن عہدہ داروں کی کارستانی

حیدرآباد (۱۱رجون)۔ متحدہ آندھرا پردیش میں بار بار اردو کو اس کا مستحق مقام دلانے کے مطالبے کیے گئے لیکن اسے اس کا حق نہیں دیا گیا۔ صرف حکومتوں نے وقتی طور پر مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی اور کئی ایک اعلانات بھی کیے تاہم عملی طور پر ان کی ترقی کو روکنے کا سامان کیا گیا۔ واضح ہو کہ متحدہ آندھرا پردیش میں اقلیتوں کے لیے جملہ 24 (تلنگانہ میں 12 اور آندھرا میں 12) اقامتی اردو میڈیم اسکولس اور 5 (دو تلنگانہ میں اور تین آندھرا) میں اقامتی اردو میڈیم جونیر کالجس قائم کیے تھے لیکن بعض اعلیٰ عہدیداروں کی اردو اور مسلم دشمنی کے سبب ان تمام کالجوں اور اسکولوں کو انگریزی میڈیم میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ دفتر 'سیاست' پر طلبہ کے سرپرستوں اور محبان اردو نے اڈیٹر 'سیاست' جناب زاہد علی خاں کو اردو اقامتی اسکولوں اور کالجوں کو انگریزی میڈیم میں تبدیل کیے جانے کے بارے میں بتایا۔ راقم نے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ آندھرا اور تلنگانہ میں اردو میڈیم اسکولوں اور کالجوں کو ختم کرنے کی ایک منصوبہ بند سازش پر مرحلہ وار انداز میں عمل کیا جارہا ہے۔ وائی ایس آر کے دور میں غریب طلبہ کو معیاری انگریزی کی اسکولوں میں تعلیم دلوانے کے نام پر متوازی جماعتوں کا آغاز کیا گیا۔ ان اسکولوں میں پہلی زبان اردو رکھتے ہوئے ایک طرح سے اردو والوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی اور اردو میڈیم کو ہی برخاست کرنے کے اقدام کیے گئے۔ حالاں کہ یہ تمام حقیقی طور پر اردو میڈیم اسکول تھے۔ اردو میڈیم کی برخاستگی کے عمل میں دو سال قبل اس وقت شدت پیدا ہوئی جب اردو دشمن ایک اعلیٰ عہدیدار نے بہت ہی مکاری کے ساتھ کام کرتے ہوئے اردو میڈیم اقامتی اسکولوں اور کالجوں کی شناخت کو مرحلہ وار انداز میں مٹانے کا آغاز کردیا۔ اس نے آدھی نشستیں اردو میڈیم اور آدھی نشستیں انگریزی میڈیم کے لیے مختص کردیں اور پھر آہستہ آہستہ اردو میڈیم برخاست کرتے ہوئے اسے انگریزی میڈیم میں تبدیل کردیا۔ اردو اقامتی کالجوں میں داخلے کے لیے جو بھی غریب طلبہ رجوع ہورہے ہیں انھیں یہ کہہ کر داخلے دینے سے انکار کیا جارہا ہے کہ یہ کالجس اردو میڈیم نہیں بلکہ انگریزی میڈیم ہیں۔ اس عہدیدار کے باعث اقلیتوں کے لیے قائم کردہ اردو میڈیم کالجوں کو انگریزی میڈیم میں تبدیل کرکے غیر اقلیتی طلبہ کو داخلے دیے جارہے ہیں۔ حال ہی میں ایل بی نگر اور نظام آباد میں واقع اردو میڈیم اقامتی کالجوں سے داخلے کے لیے رجوع ہونے والے اردو میڈیم طلبہ کی درخواستوں کو مسترد کردیا گیا۔ اسی طرح وائیلاپاڈو چتور میں اقلیتی طالبات کے لیے اردو میڈیم اقامتی جونیر کالج قائم کیا گیا تھا۔ دو سال تک بہت ہی عمدہ طریقے سے اس کالج نے کام کیا لیکن اب اسے انگریزی میڈیم کردیا گیا۔ طلبہ کے سرپرستوں کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ حسب عہدیدار اردو میڈیم طلبہ کو حصول علم سے روکنے کے خواہاں ہیں۔ واضح رہے کہ ہم نے تلنگانہ میں جن 12 اردو اقامتی اسکولوں کا ذکر کیا ہے ان میں پارکس حیدرآباد کا ایک، حیات نگر رنگاریڈی میں ایک، ابراہیم پٹن میں ایک (لڑکیوں کے لیے)، محبوب نگر اور ونپرتی میں دو، میدک (سنگاریڈی اور ظہیرآباد) میں دو، نظام آباد میں دو، ورنگل میں ایک اور نلگنڈہ کے دو اسکولس شامل ہیں۔ جب کہ تلنگانہ میں ایل بی نگر حیدرآباد اور ناگارم نظام آباد میں ہی اردو میڈیم اقامتی جونیر کالجس ہیں۔ آندھرا کے کنور، کرنول اور چتور میں تین اردو میڈیم اقامتی جونیر کالجس کام کررہے تھے جنھیں اب انگریزی میڈیم میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

بہزاد لکھنوی کے چند برمحل اشعار

مرزا احمد بہزاد لکھنوی امین آباد لکھنؤ میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ فانی سے اصلاح لی۔ مشاعرے میں خوب شامل ہوتے تھے اور ترنم سے پڑھ کر داد وصول کرتے تھے۔ بہزاد اپنی نعت کی وجہ سے مشہور تھے۔ دلی ریڈیو سے ہر جمعہ ایک نعت پیش کرتے تھے۔ اس نعت کو سننے کے لیے ریڈیو سننے والوں کو بڑا انتظار رہتا تھا۔ مالک رام لکھتے ہیں کہ بہزاد مستقلاً موت کی ایک خاصی سوتی ڈوری رستی کے میں ڈالے رہتے تھے، جب کلام پڑھتے اور جوش میں آجاتے تو دونوں ہاتھوں سے اسے کھینچتے تھے۔

پہلے ریلوے میں ٹی ٹی کا کام کرتے تھے اپنی خرابی صحت کی وجہ سے یہ کام نہیں کرسکے اور ریڈیو سے منسلک ہوگئے۔ اس نوکری کو چھوڑ کر فلم میں آگئے، تقریباً 50 فلموں کے گیت اور مکالمے لکھے۔ تقسیم کے بعد 1951-52 میں پاکستان چلے گئے، وہاں بھی ریڈیو پر اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں ٹی بی کے مریض ہوئے اور 10 اکتوبر 1974 کو کراچی میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ان کے برمحل اشعار تلاش کیے ہیں آپ بھی ان اشعار کا لطف لے سکتے ہیں:

اوروں کو عطا کردے یہ ساغر و مینا
آنکھوں سے پلا ساقی گر تجھ کو پلانا ہے

اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو
تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنا دے

ہماری بزم میں اور بزم میں فرق ہے اتنا
وہاں چراغ یہاں دل جلائے جاتے ہیں

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علیٰ کہتے کہتے

زندہ ہوں اس طرح کہ غم زندگی نہیں
جلتا ہوا دیا ہوں مگر روشنی نہیں

وفاؤں کے بدلے جفا کر رہے ہیں
میں کیا کر رہا ہوں وہ کیا کر رہے ہیں

(خلیق الزماں نصرت۔ بھیونڈی، مہاراشٹر)
E-mail: nusratkhalique@gmail.com

ان کالجوں کی اہم بات یہ ہے کہ دو سال میں طلبہ پر صرف 3000 روپے مصارف آتے تھے جو غریب مسلم طلبہ و طالبات کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھے۔ بدقسمتی سے اردو دشمن اعلیٰ عہدیداروں کے باعث اردو میڈیم اسکولوں کے 6 ہزار اور جونیر کالجوں کے تقریباً 1500 طلبہ اردو ذریعہ تعلیم سے محروم ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان اسکولوں کو انگریزی اسکولوں میں تبدیل کرنے سے 240 اساتذہ اور 15 تا 20 اردو میڈیم لیکچررس کے روزگار متاثر ہونے کے خدشات پائے جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلم ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ فورم کے جناب احمد بشیر الدین فاروقی اور جناب نعیم اللہ شریف نے جو اقامتی اسکولوں و کالجوں میں غریب مسلم بچے بچیوں کے داخلوں کو یقینی بنانے کے لیے سیاست کے تعاون سے تشہیری مہم چلاتے ہیں، تب اردو میڈیم اقامتی اسکولوں و کالجوں کی بحالی کی مہم شروع کی ہے۔ انھیں امید ہے کہ کے سی آر جو اقلیتوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اس ضمن میں ضروری اقدام کریں گے۔ اسی طرح آندھرا میں چندرا بابو نائیڈو بھی اردو کے ساتھ انصاف کریں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ڈپٹی چیف منسٹر جناب محمود علی اقلیتوں کے اس اہم ترین مسئلے کے حل میں کیا کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اردو میڈیم مدارس کو بحال کریں گے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

تلنگانہ کے وزیر اعلیٰ سے نمائندگی
اردو کے ساتھ انصاف کیا جائے

حیدرآباد (یکم جون)۔ اردو فورم اور ملت ایجوکیشن سوسائٹی کے ایک وفد نے تلنگانہ ریاست کے پہلے نامزد وزیر اعلیٰ چندر شیکھر راؤ سے ملاقات کرکے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے اقدام کے لیے نمائندگی کی۔ وفد کی قیادت جناب اسماعیل طالب انصاری نے کی۔ اردو فورم نے چندر شیکھر راؤ کو یاد دہانی کروائی کہ انتخابات سے پہلے اردو زبان کو سرکاری موقف دینے کے اپنے وعدے کو پورا کریں۔ وفد نے کے سی آر سے کہا کہ کارپوریٹ اسکولوں میں اردو کو بحیثیت دوسری زبان پڑھانے کے لیے پابند کریں۔ تلگو کے ساتھ اردو زبان کو ریاست تلنگانہ میں دوسری سرکاری زبان کا موقف دیں، تاکہ اردو زبان فروغ پاسکے نیز اردو زبان کو روزگار سے مربوط کیا جاسکے۔ تمام سرکاری محکموں میں اردو مترجم کا تقرر کیا جائے۔ آر ٹی سی اور تمام سرکاری دفاتر کے علاوہ ریاست تلنگانہ کی تمام شاہراہوں پر تلگو کے ساتھ اردو کے سائن بورڈ نصب کیے جائیں۔ اردو کے ٹرینڈ اساتذہ کو فوری ملازمت فراہم کی جائے۔ اس وفد میں شیراز خان، محمد ساحل خان، محمد احمد، محمد مسعود علی و دیگر موجود تھے۔ چندر شیکھر راؤ نے وفد کے مطالبات کو بہ غور سماعت کرکے ان پر عمل آوری کا یقین دلایا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

ریاست تلنگانہ کے 'لوگو' میں چار مینار اور اردو بھی شامل



حیدرآباد (۲۹ مئی)۔ ریاست تلنگانہ کا علاحدہ 'لوگو' تیار کرلیا گیا ہے جس میں پرانے شہر کی تاریخی عمارت کو بھی شامل کیا گیا ہے، یہی نہیں بلکہ اس پر اردو میں 'تلنگانہ سرکار' بھی تحریر ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ صدر اسدالدین اویسی ایم پی نے حال ہی میں جب تلنگانہ کے منتخب چیف منسٹر چندر شیکھر راؤ سے پارٹی قائدین کے وفد کے ساتھ ملاقات کی تھی اس وقت انھوں نے دوسرے مطالبات کے علاوہ چندر شیکھر راؤ سے کہا تھا کہ علاحدہ ریاست تلنگانہ کے لوگو میں چار مینار کو بھی شامل رکھا جائے جو حیدرآباد کی شناخت ہے۔ صدر ٹی آر ایس نے ان کی تجویز قبول کرتے ہوئے اپنی حکومت کے لوگو کو منظوری دے دی جس پر چار مینار کے علاوہ کاکتیہ کلا تھورانم بھی کندہ ہے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

لکھنؤ۔ مشہور و ممتاز مزاح نگار اور صحافی جناب سید محمد مشتاق 'مشتاق پردیسی' کا ۱۳ر جون ۲۰۱۴ء کی صبح تقریباً 6:30 بجے ان کی قیام گاہ پر انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً 80 برس کے تھے۔ وہ عرصے سے متعدد بیماریوں کے شکار تھے۔ انھیں لکھنؤ کے موتی جھیل کے قبرستان میں سپرد لحد کردیا گیا۔

مشتاق پردیسی مرحوم ایک زمانے میں بہت سرگرم تھے اور جگہ جگہ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ انھوں نے 'قومی آواز' اور 'نوجوان' میں عرصہ دراز تک صحافتی خدمات انجام دیں، پھر 'نشریہ' سہارا اردو کو مشہور و مقبول بنانے میں بھی اپنی تمام صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ ان کا ایک شعری مجموعہ 'دیوان خاص' ادبی حلقوں میں کافی مقبول رہا ہے۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے طنز و مزاح نگاروں میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے آسانی سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

○

بنگلور۔ ریاست کرناٹک کے بزرگ شاعر، صحافی اور روزنامہ 'کوثر' کے مدیر جناب خلیل بے باک ۲ر جون ۲۰۱۴ء کو میسور میں واقع اپنی رہائش گاہ پر انتقال کرگئے۔ نماز جنازہ ۳ر جون کو بعد نماز ظہر مسجد اعظم اشوکا روڈ میں ادا کی گئی اور میسور کے بڑا مکان قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ وہ 81 برس کے تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ خلیل بے باک نے 15 سال کی عمر سے ہی شاعری شروع کی اور 18 سال کی عمر میں میسور کے مرحوم اقبال قادری کے ساتھ اردو اخبار 'بے باک' نکالنا شروع کیا اور پھر روزنامہ 'کوثر' اور ہفت وار 'کوثر' شروع کیا۔ خلیل بے باک کرناٹک اردو اکادمی کے رکن بھی رہے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں کرناٹک اردو اکادمی، انجمن ترقی اردو میسور، روزنامہ پاسبان اور دیگر اداروں نے انھیں اپنے اعزازات سے سرفراز کیا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

برہان پور میں افسانوی نشست کا انعقاد

برہان پور (پریس ریلیز)۔ برہان پور سعدی دکنی اور شاہ باجن جیسے شعرائے اردو کی سکونت اور شیخ علی متقی جیسی عالمگیر علمی و ادبی شخصیت کی جائے پیدائش کے سبب مشہور و معروف رہا ہے۔ برہان پور کے شعری و ادبی سفر کے بعد عہد حاضر بھی اکیسویں صدی میں بسم اللہ عدیم، رشید انور، نسیم انصاری، شکیل فیض اور پروفیسر اسرار اللہ انصاری وغیرہ کی کاوشیں نیز مضامین، منظومات اور افسانوں کی رسائل میں لگاتار اشاعت کے سبب برہان پور کا نام ایک بار پھر روشن دکھائی دینے لگا ہے۔

فاضل انصاری کے نام سے مشہور 'فاضل اردو سوسائٹی' کے زیر اہتمام گزشتہ دنوں مدرسہ غوریہ عیدیہ پر حرم پورہ، لال باغ برہان پور (ایم پی) میں ایک افسانوی نشست منعقد ہوئی، جس میں برہان پور کے علاوہ کھنڈوا کے حبیب راحت حباب اور اقبال گرامی صاحبان نے بھی اپنی تخلیقات پیش کیں۔ نشست میں انشائیے، خاکے اور افسانے پڑھے گئے۔ سامعین نے تخلیق کاروں کی ستائش کی اور انھیں داد و تحسین سے نوازا۔

نشست میں خاکہ بعنوان 'خان بہادر نزاکت' وقار اعظمی نے اور نسیم قریشی نے 'بیک فن کار' خلیل انصاری (بینگ)، نے پیش کیا۔ انشائیہ 'بول وبال' جناب صاحب کی زبانی گوش گزار ہوا۔ حبیب حباب نے اپنے انشائیے میں نہ صرف معلومات کا انبار جمع کردیا بلکہ حس لطیف کو گدگدانے والی خوب صورت زبان کا استعمال کرکے سامعین کا دل بھی جیت لیا۔ افسانوں اور کہانیوں میں 'اخلاص کے اندھیرے' اخلاق انور، 'قسمت کا کھیل' محمد رفیق، 'بدعنوانی کا دلدل' ڈاکٹر عارف انصاری، 'ہجرت' پروفیسر اسرار اللہ اور 'اخلاقی ممتاز' ڈاکٹر فاروق راہیل نے پیش کیا۔

آخر میں حبیب راحت حباب نے تجزیہ نگار کے بطور جاپانی اور علامتی افسانوں کے فرق کو واضح کیا نیز نئے لکھنے والوں کی کمیوں پر ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے انھیں مزید لکھنے لکھانے کی ترغیب دی۔ نشست کی نظامت کے فرائض اسرار اللہ اور ڈاکٹر عارف انصاری نے انجام دیے۔

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **یگانۂ روزگار** مولانا عبدالسلام ندوی
مصنف : ڈاکٹر الیاس الاعظمی
ضخامت : ۲۰۰ صفحات
قیمت : ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : ادبی دائرہ، ۱۳/۱۰۶ شائستہ منزل، خالدی کا پورہ، مکتب آفس لائن (رحمت نگر) اعظم گڑھ - ۲۷۶۰۰۱
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

علامہ شبلی کے شاگرد مولانا عبدالسلام ندوی (۱۹۵۶-۱۸۸۳ء) نہ صرف اردو کے ذہین و فطین ادیب و مفکر تھے جنھوں نے اپنی زندگی علم و ادب کی خدمت اور تحقیق و تصنیف کے لیے وقف کی بلکہ ان کی مذہبی، دینی اور علمی تصانیف نے مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور گمشدہ میراث کی بازیافت میں نمایاں رول ادا کیا۔ وہ ندوۃ العلماء، الہلال اور دارالمصنّفین سے مختلف وقتوں میں جڑے رہے اور علامہ شبلی کے علمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم رہے۔ ان کی حیات و خدمات پر بہت کم کام ہوا ہے جس کی جانب زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں خورشید نعمانی رودولوی نے اشارہ کیا ہے:

" آج کی دنیا بزرگوں کی دنیا سے قدرے مختلف ہے۔ یہ زمانہ cheap publicity اور ادب کی ہنگامہ گری کا ہے۔ ایسے ماحول میں ادب کے خاموش خدمت گزاروں کو لوگ فراموش کرتے جا رہے ہیں۔"

خیر اتنا تو کہا جا سکتا ہے کہ محمد الیاس الاعظمی کی مذکورہ تصنیف اس سمت میں اٹھایا گیا اہم قدم ہے۔ کتاب کو چودہ ابواب میں تقسیم کیا جا چکا ہے جن میں مولانا کی حیات، تصنیفات و تالیفات، تراجم، مقالات، مقدمے و تبصرے، شبلی کے نامکمل منصوبوں کی تکمیل، مسودہ خانہ بصیرت، ادب و انشا، شاعری، مکتوب نگاری، غالب شناسی وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر الیاس نے موصوف کی کثیر الجہات زندگی پر اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ ندوہ میں مولانا عبدالسلام نے عربی استاد اور ماہنامہ 'الندوہ' کے سب ایڈیٹر کے فرائض بخوبی نبھائے۔ انھوں نے شعر و ادب، اقبالیات، قرآنی تعلیمات، فقہ، سیرت، اسلامی فلسفہ، تعلیم و تربیت اور تاریخ پر بے شمار مضامین لکھے۔ ان کی کتابوں کے نام ذیل میں درج ہیں:

تصانیف: اسوۂ صحابہؓ (۲ جلد)، اسوۂ صحابیاتؓ، تاریخ اخلاق اسلامی، سیرت عمر بن عبدالعزیز، اقبال کامل، شعر الہند (۲ جلد)، امام رازی، ابن یمین، حکمائے اسلام (۲ جلد) فقرائے اسلام، القضا فی الاسلام، تاریخ الحرمین الشریفین۔

ترجمے: ابن خلدون، انقلاب الامم، اسلامی قانون فوجداری، الحریۃ الاستقلالیہ، تاریخ فقہ اسلامی اور فطرت نسوانی۔

مزید سات کتابیں (تاریخ التنقید، حیات شبلی، شعر العرب وغیرہ) ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں۔ تصانیف و تراجم کے بارے میں تفصیلات تیسرے اور چوتھے باب میں فراہم کی گئی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ کتاب میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ عبدالسلام ندوی علامہ اقبال سے بے حد متاثر تھے اس کے باوجود انھوں نے ان کے کلام میں تذکیر و تانیث، محاوروں وغیرہ کے غلط استعمال کی نشاندہی کی ہے جو ان کی تنقیدی بصیرت پر دال ہے۔ مولانا کی غالب شناسی پر بھی کتاب کے گیارہویں باب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچویں باب میں مصنف نے مولانا عبدالسلام ندوی کے تحریر کیے ہوئے متعدد مقالات، مقدمات اور تبصروں کے بارے میں نہ صرف جانکاری دی ہے بلکہ ان پر اپنے تاثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی نیک، سادہ، شائستہ، شریف، قناعت پسند اور منکسر المزاج قسم کے شخص تھے۔ وہ صلہ و ستائش کی پرواہ کیے بغیر اپنا کام کرتے تھے۔ ۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو تقریباً ۷۳ سال کی عمر میں انھوں نے وفات پائی۔ زیر نظر کتاب کے پہلے دو ابواب میں ان کی شخصیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ نسیم تخلص کرتے تھے اور لکھنؤ اسکول کی شاعری کو ترجیح دیتے تھے۔ اگلے چار ابواب میں مولانا عبدالسلام ندوی کی 'مسودہ خانہ بصیرت'، 'ادب و انشا'، 'شاعری' اور 'مکتوب نگاری' پر بحث کی گئی ہے۔

مضمون 'ادب و انشا' میں مضمون نگار نے مولانا کی ادبی شخصیت اور فنی خصوصیات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ اسی طرح مضمون 'شاعری' میں مولانا کی شاعری کی ابتدا اور ارتقائی منزلوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان کی شاعری کے نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ چند اشعار یہاں پر نقل کر رہا ہوں:

کو جس کی جستجو تھی وہ یوسف نہیں ملا
لیکن مری نگاہ سے دنیا گزر گئی

جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
فقط اک فریب نظر دیکھتے ہیں

یوسف کو بیتے دام دکھانے لے لیا
تقدیر تھی کہ حسن کی قیمت ٹھہر گئی

مضمون 'مکتوب نگاری' سے عیاں ہے کہ عبدالسلام ندوی کا رابطہ زیادہ تر مولوی مسعود علی ندوی، مولانا سید سلیمان ندوی، سید عبدالحکیم دسنوی، نواب سید شمس الحسن، ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولوی عبدالباری وغیرہ سے رہا تھا۔ مندرجہ بالا مضامین کے علاوہ کتاب میں تین اور مضامین شامل اشاعت ہیں۔ ایک مداح - مولانا سعید انصاری اور ان کے چند خطوط، ایک عقیدت مند - پروفیسر کبیر احمد جائسی اور 'ہند و پاک میں عبدالسلام شناسی'۔ ان مضامین سے بھی موصوف کی شخصیت کے اہم پہلو سامنے آتے ہیں اور برصغیر ہند و پاک میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب کے منظر عام پر آنے سے 'شبلیات' میں ایک اور کڑی جڑ چکی ہے کیوں کہ مولانا عبدالسلام ندوی ان کے چہیتے شاگردوں میں سے ایک تھے اور انھوں نے ان کے ادھورے کام کو پورا کرنے کا قصد کر رکھا تھا۔ مولانا کی شخصیت اور فن پر سالوں کی کافی روشنی پڑتی ہے لیکن ابھی بھی بہت سارے پہلو تشنۂ تحقیق ہیں۔ امید کہ دارالمصنّفین آگے بھی اس طرف توجہ دیتی رہے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیر نظر تصنیف شبلی اسکول کے چاہنے والوں اور اردو کے سنجیدہ طالب علموں کے لیے بے حد ضروری ہے اور اس کا اردو کے ادبی حلقوں میں خیر مقدم ہوگا۔

○○○

نام کتاب : **پتھر جیسے لوگ**
(افسانوی مجموعہ)
مصنف : محمد قیوم میو
ضخامت : ۱۱۹ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : محمد قیوم میو، ایوب منزل تاج گنج، آگرہ (یوپی)
تبصرہ نگار : ثمر جہاں
samarjahan2007@gmail.com

افسانوی مجموعہ 'پتھر جیسے لوگ' محمد قیوم کا پانچواں مجموعہ ہے۔ جس میں 34 افسانے شامل ہیں۔ عصر حاضر میں ٹوٹتے بکھرتے رشتوں اور زوال پذیر تہذیبی قدروں کو موضوع بنا کر مصنف نے عنوان 'پتھر جیسے لوگ' مناسب تجویز کیا ہے۔ اس مجموعے کے تمام افسانے اسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ محمد قیوم حساس طبیعت کے مالک ہیں، اس لیے ہر افسانے میں وہ اخلاقی و اصلاحی مقصد پر زور دیتے ہیں جس سے افسانے کا فن مجروح ہوتا ہے کیوں کہ افسانہ رمز و اشارے کا متقاضی ہوتا ہے جہاں قاری کے لیے سوچ و فکر کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیوم صاحب نے یہ افسانے بہت عجلت میں لکھے ہیں جس کے باعث بعض افسانوں پر افسانچے کا گمان ہوتا ہے مثلاً 'بازگشت'، 'تمنا'، 'رنگ'، 'نوکرانی'، 'سبق' اور 'تقدیر' وغیرہ۔ افسانوی فن میں قاری کی توجہ اور دلچسپی کے لیے گہری معنویت و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی کمی کا احساس قاری کو کھٹکتا ہے۔ بہرحال قیوم صاحب کا یہ مجموعہ ہمارے سماج کا آئینہ دار ہے جو ان کی عصری حسیت کے ہمہ جہت رنگوں کی کہکشاؤں سے لبریز ہے اور قاری کو پڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔

○○○

بقیہ: اردو شاعری کے کچھ مشہور گھرانے

صفحہ ۸ سے آگے

کے خاص شاگرد تھے۔ انھیں اس بات کا بھی فخر حاصل تھا کہ انھوں نے شاعر مشرق علامہ اقبال، بیخود دہلوی، سائل دہلوی، جگر مرادآبادی، خواجہ محمد شفیع، ثاقب لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، ظریف لکھنوی اور آنند نرائن ملا جیسے اردو کے نامور اور نابغۂ روزگار شعرا کے ساتھ مشاعرے پڑھے اور اپنی اہمیت کا لوہا منوایا۔ ان کے کلام کا منتخب مجموعہ 'باغ فردوس کے پھول' کے نام سے ان کے پوتے اور خاندان بیدل کے موجودہ صاحب قلم اور روشن چراغ حاجی خورشید احمد بیکانیری نے شائع کر دیا ہے۔ اترپردیش کے سابق گورنر عارف نقشبندی جو خود بھی بہت اچھے شاعر تھے خانوادۂ بیدل بیکانیری سے تعلق رکھتے تھے۔ عارف نقشبندی کا شعری مجموعہ اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ اب آیئے بیدل بیکانیری کے کچھ اشعار پر نظر ڈالیں:

پہلے خود دیکھیے یہ آپ کا نقشہ کیا ہے
مجھ دیدار سے پھر پوچھیے سکتا کیا ہے
جان بھی دینے کو تیار ہے تم پر بیدل
تم نے اس عاشق جاں باز کو سمجھا کیا ہے

دل کر تری نگاہ سے دل کامیاب ہے
دنیا کہا کرے کہ زمانہ خراب ہے

رہتی ہے بیخودی میں بھی ان کی طرف نظر
دل کو بھی اضطراب عجب اضطراب ہے
رنگ جہاں پہ حضرت بیدل نہ جائیے
آتا ہے جو نظر نہیں دھوکا ہے خواب ہے

محمد عبداللہ بیدل کے صاحبزادے

محمد یوسف راسخ بیکانیری بیدل خاندان کے دوسرے ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے خاندان کا نام روشن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کا کلام استادانہ رنگ کا حامل ہے۔ مقام مسرت ہے کہ بیدل کے پوتے اور راسخ کے بیٹے جناب حاجی خورشید نے اپنے والد محترم کا کلام انتہائی خوب صورتی اور اہتمام کے ساتھ 'اوراق پریشاں' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ راسخ بیکانیری ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو شہر بیکانیر میں پیدا ہوئے اور زندگی کے بہتر سال گزار کر ۱۲ مارچ ۱۹۷۸ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ راسخ بیکانیری کا سرگرم کلام پہلے 'اوراق پریشاں' کے نام سے شائع ہوا بعد ازاں ۱۹۹۹ء میں ان کا دوسرا شعری مجموعہ 'کشت راسخ در زمین غالب' چھپا۔ یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جناب راسخ بیکانیری نے اس مجموعے کی تمام غزلیں غالب کی زمین میں کہی ہیں۔ حضرت غالب کی غزلیہ زمینوں میں غزلیں کہنا اور پھر ان غزلوں کو پایۂ اعتبار تک پہنچانا کس قدر مشکل ہے لیکن اس مشکل کام کو حضرت راسخ نے پوری کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ 'کشت راسخ در زمین غالب' سے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جھکا کر جو گردن کو ہم دیکھتے ہیں
خدا کو خدا کی قسم دیکھتے ہیں

یاد آنے لگی یاران وطن کی صحبت
دشت غربت میں ہے اب ہم تنہائی اپنا

تو گرفتار بلا ایک ہوا دم نکلا
دام صیاد میں کوئی نہ پھنسا میرے بعد

نقل پر خواہش کے دھوکے میں راسخ مت آ
جس کو میں سمجھا مصور عکس تھا تصویر کا

(باقی آئندہ)

بقیہ: اردو کے دو قدیم رسالے...

صفحہ ۳ سے آگے

عبدالقادر، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر زبید احمد، میاں بشیر احمد، لطیف احمد (ل. احمد) اکبرآبادی، مولانا ممتاز حسین لکھنوی، حضرت آرزو لکھنوی، پروفیسر پنڈت کیشن پرشاد، پروفیسر عبدالستار صدیقی، مرزا احمد سعید، منشی مہدی حسن (حسن)، حکیم احمد شجاع، مولانا مقبول احمد، مولانا خلیل الرحمن، لالہ سری رام، میر آتی، حضرت یگان یزدانی میرٹھی، آشفتہ لکھنوی، مولانا مسعود حسن رضوی، مولانا عبدالباری آسی لکھنوی، مولانا تحسین راجپوری، حضرت روش صدیقی جوالا پوری، مولانا عشرت رحمانی اور پروفیسر اکبر حیدری کی تصاویر اس نمبر میں شائع کی گئی ہیں۔

نوٹ: اس تحقیقی مضمون کو تحریر کرنے کے لیے راقم نے کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ بالاپور ضلع آکولہ (مہاراشٹر) کے قدیم رسائل و اخبارات کی فائلوں سے استفادہ کیا۔ اگر کوئی اہل ذوق ان قدیم یادگار اور اہم نمبروں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہو تو مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کریں:

(1) 09970261774
(2) 08624829660

○○○

بقیہ: اردو میں بچوں کا ادب

صفحہ ۴ سے آگے

بچوں کے ادب اور ان کہانیوں کی ایک اپنی افسانوی دنیا ہوتی ہے۔ بچوں کو ایک لفت نصیحت، سادہ، بلیغ اور معنویت سے پُر زبان کی سنگلاخ زمین پرلا کر پہنچائیں جاسکتی ہے لیکن اس سمت میں سوچ سمجھے اور منصوبہ بند طریقے سے پیش رفت کی جاسکتی ہے۔ دراصل اس طرح کے اشتراک عمل اور ہم آہنگی کی روایت ہمارے اسکولی نصاب کے مرتبین کی جانب سے قائم کی جانی چاہیے کہ وہ ایک باقاعدہ اور ادبیہ بتدریج جاری رہنے والا عمل ہے۔ ان کتب کی زبان میں اگر gradation اور لفظیات کی وجہ بندی اور اس کا بتدریج ارتقا ہو تو بچے اسے انہماک سے پڑھیں گے، ان کے شوق اور دلچسپی میں اضافہ ہوگا، ان کے ذوق کی پرداخت ہوگی اور صحیح سمت میں ہوگی۔ اس طرح وہ ایک مخصوص مدت کے تدریجی مراحل سے گزر کر ادب و فن کے افلاشہ پاروں کو سمجھ کر افہام و تفہیم کر پائیں گے جو انہیں نئے حوصلوں اور عزائم سے سرشار کرے گا۔ ایسے بچے ذمہ دار، خوداعتماد، باصلاحیت، عزائم اور امنگوں سے سرشار، ملک و قوم کے لیے بہتر تعمیری اکائیوں کا بدل ثابت ہوں گے۔

بچوں کے ادب میں لکھنے والوں کی کمی نہیں۔ ان فن کاروں اور قلم کاروں کے ذہن بلاشبہ نئے زمانے سے ہم آہنگ ہیں۔ ان کے منتخب کردہ موضوعات میں تنوع ہے۔ عصمت سلطان کی تاریخ ہند کی کہانیاں، احمد چغتی اور غلام ابرار کی سائنسی زندگی، محمد حسین حسان کی دنیا کے بچے، محمد امین کی چٹانوں کی کہانیاں، صالحہ عابد حسین کی ایک دیس ایک قوم، عبدالواحد سندھی جامعی کی رسول پاکؐ، خلیل احمد جامعی کی اللہ کے خلیل، قدسیہ زیدی کی گاندھی باپو کی کہانی وغیرہ وغیرہ۔ اور مختلف اداروں اور اشاعت گھروں کی جانب سے کہانیوں، نظموں، ڈراموں، شخصیات، سوانح، کلاسیکی ادب، حفظانِ صحت اور مذہب کے موضوعات پر بے شمار کتابیں شائع ہوئیں۔ کون سے موضوعات بچ رہے ہیں؟ لیکن اس سے زیادہ اہم ہے ان کتابوں کا ان تک پہنچنا، جن کے لیے لکھی گئی ہیں۔

کتب و رسائل میں جو ادب پیش ہوتا ہے، جو مواد بچوں کی ضیافت طبع کے لیے متعارف ہوتا ہے وہ چاہے تاریخی، سماجی، معاشی، معاشرتی اہمیت کا حامل ہو یا سائنسی حقائق سے متعلق سیدھے سادے الفاظ میں، لیکن منصوبہ بند طریقے سے بچوں کے سامنے رکھا جائے تو کیا وجہ ہے کہ ان کی سمجھ میں نہ آئے۔ طے شدہ پلان اور منصوبے کے تحت قائم کردہ مضبوط بنیاد پر ایک آر کی ٹیکٹ دس منزلہ عمارت کا بوجھ رکھ دیتا ہے اور وہ عمارت مدتوں نہ صرف قائم رہتی ہے بلکہ پورے شان و شکوہ اور توانائی اور استقامت کا مظہر بنی زمین پر سینہ تانے کھڑی رہتی ہے۔

مغربی ممالک میں پرائمری تعلیم کو وہی اہمیت دی جاتی ہے جو عمارت کے قیام میں بنیاد کو دی جاتی ہے۔ وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ، ڈاکٹر اور اسکالر ابتدائی جماعتوں کو پڑھاتے ہیں... گو مشاہرہ انہیں ان کی اعلیٰ قابلیت کے شایانِ شان ملتا ہے۔ وہ ابتدائی جماعتوں کو پڑھانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ فخر سے سراٹھا کر کہتے ہیں کہ --- لو... مضبوط بنیاد ہم نے ڈال دی... اب اس پر چاہے جیسی عمارت بنالو۔

بچوں کے ادب کے تعلق سے یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ چاہے اسکولی نصاب ہو یا ضیافت طبع کا ادب، جو ذوق و شوق ابتدا میں قائم ہوتا ہے وہ مستقبل کی تعلیم کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔

بچوں کے اردو ادب کے اہم مسائل کا حل نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ خریداروں کا بڑا حلقہ رکھنے والے رسائل اور کتابوں کے متبول اشاعت گھر کوئی منظم، واضح اور دور رس اسکیم کا خاکہ ترتیب دے کر پورے اشتراک اور ہم آہنگی سے اشاعت کا کام انجام دیں۔ بچے لکھنے والوں کا ملک گیر سطح پر مختلف مقامات پر، مختلف اوقات میں ورکشاپ کا انعقاد ہو۔ وہاں قومی مقاصد و ضروریات کے پیش نظر افادی پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرکے بچوں کے ادب کی تخلیق کا خاکہ اور تخلیق کاروں کے لیے ایک اسکیم طے ہو۔ approach طے ہو، لفظیات کا gradation ہو اور بچوں تک اس ادب کو پہنچانے کی واضح اسکیم طے ہو۔ نیز ریاستی اکادمیاں، سرکاری و غیر سرکاری ادارے اس میں مدد دیں۔

◎◎◎

♦♦♦♦♦

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

انیسویں صدی میں ادب، تاریخ اور تہذیب (صدیق الرحمن قدوائی کے اعزاز میں مضامین)		
	مرتبین: اطہر فاروقی، رضا حیدر، سرور الہدیٰ	۳۰۰/=
نواب ہم ساتھ سیر کیا کریں گے	کشمیری لال ذاکر	۳۰۰/=
ترقی پسند ادب	علی سردار جعفری	۳۰۰/=
دلی کی درگاہ شاہ مرداں	خلیق انجم	۲۰۰/=
پہلا ورق (روسی اور ادب کے منتخب ادیب) اسلم پرویز		
	انتخاب و ترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی	۳۰۰/=
راس مسعود	حکیم سید ظل الرحمن	۲۵۰/=
ہلچل	اطہر فاروقی	۲۲۰/=
سیرت فریدیہ (سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افراد خاندان کے حالات)		
	مصنف: سرسید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم	۱۵۰/=
ہندوستان میں اردو سیاست کی تفہیم نو	اطہر فاروقی	۳۶۰/=
انقلاب، ایک تاریخ، ایک تہذیب کی کہانی	عابد اللہ غازی	۸۵/=
بلیک ہول (داستانی آبادی پر مبنی ناول)	ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی	۱۲۰/=
دوکان شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ)	شمیم حنفی	۲۰۰/=
دلی کے محاورے	سید ضمیر حسن دہلوی	۱۰۰/=
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا	خلیق انجم	۲۳۰/=
غالب تنقید	جاوید رحمانی	۱۱۰/=
سن ستاون کی دلی اور بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز	۱۵۰/=
آزاد ہندوستان میں اردو زبان تعلیم اور صحافت	اطہر فاروقی	۱۲۰/=
ہندوستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر		
	صدیق الرحمن قدوائی	۱۸۰/=
The Court of Indar / اندر سبھا (سید آغا حسن امانت)		
	فیروز تاج	۳۰۰/=
اردو ہے جس کا نام (ادبیات کا مجموعہ)	امیر چند بہار	۱۱۰/=
پریم چند گھر میں (شیورانی دیوی)	مترجم: سید حسن منظر	۲۰۰/=
ادب کی ماہیات: تصور اور تعبیر (منیجر پانڈے)	مترجم: سرور الہدیٰ	۲۰۰/=
دلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیر الحسن		
	مترجم: مسعود الحق	۴۷۵/=
گفتگو ان کی	اطہر فاروقی	۱۵۰/=
جہان اقبال	عبدالرحیم خاں	۷۵/=
کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں)		
	ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی	۸۵/=
ہم سفروں کے درمیان	شمیم حنفی	۱۵۰/=
ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (دیوناگری)	ڈاکٹر انجم بارہ بنکوی	۲۰/=
تحقیق غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی	۸۰/=
بنارسی رئیس	ڈاکٹر نریش	۸۵/=
خواجہ غلام السیدین	پروفیسر آل احمد سرور	۲۲۰/=
خواجہ غلام السیدین (مضامین اور تقریریں)	خلیق انجم	۱۰۰/=
اقبال یورپ میں	ڈاکٹر سعید اختر درانی	۲۵۰/=
دیوان بیان (احسن اللہ خاں بیان)	ارجمند آرا	۱۵۰/=
نوادر اقبال یورپ میں	ڈاکٹر سعید اختر درانی	۱۲۰/=
بھگود گیتا (اردو منظوم)	شان الحق حقی	۷۰/=
جگنوؤں کی دنیا	قرۃ العین حیدر	۹۰/=

دوسری قسط

اردو شاعری کے کچھ مشہور گھرانے

جس طرح دعا ڈبائیوی کے گھرانے کے ایک ممتاز شاعر امید فاضلی نے پاکستان میں اپنی شاعری کا سکہ دلوں پر بٹھایا اور بہت مشہور ہوئے اسی طرح دعا ڈبائیوی کے بیٹے ندا فاضلی نے ہندوستان میں اپنی شاعری کا پرچم لہرایا۔ دعا ڈبائیوی نے اردو شعر و ادب کی جو خدمت کی اسے یقینی طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا لیکن اردو شعر و ادب پر ان کا احسان ان معنوں میں بھی ہے کہ انھوں نے ندا فاضلی کی شکل میں ایک ناقابل فراموش شاعر اور ادیب ہمیں دیا ہے۔ جی ہاں! ندا فاضلی کی ہمہ جہت شخصیت میں بسا اوقات ہنر کی وہ مہمیز و قوت ہے اور بے لاگ لپیٹ کے بات کہنے کا وہ نرالا انداز ہے۔

ندا فاضلی کا ادبی و شعری مقام وہاں سے متعین ہونا شروع ہوتا ہے جہاں سے اردو کی ترقی پسند ادبی تحریک زوال آمادہ ہونا شروع ہوتی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے آس پاس ترقی پسند تحریک کے بالمقابل جدیدیت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ترقی پسند تحریک کے سرگرم ادیبوں، شاعروں اور اس تحریک کے قائدین کو اس امر سے عار یا چڑ نہیں تھی کہ جدیدیت کی تحریک کیوں وجود میں آئی بلکہ انھیں عار یا چڑ اس خیال سے تھی کہ ترقی پسند تحریک زوال آمادہ ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ ترقی پسند تحریک کو جو کام کرنا تھا وہ کام وہ انتہائی خوب صورتی سے انجام دے چکی، اب اگر کاروبار ادب کو آگے بڑھانے کے لیے کوئی اور تحریک آگے آتی ہے تو اس سے ان کو کوئی قدح یا دشمنی نہیں بر خلاف اس کے اس کا وہ کھلے دل سے استقبال کرتے ہیں کیوں کہ ادب کا کاروبار اسی طرح آگے بڑھتا ہے۔ وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ کوئی بھی تحریک ہمیشہ کے لیے سرگرم نہیں ہوتی۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک بھی آج کہاں باقی ہے لیکن اس کے نقوش پوری آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔

نظریاتی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جدیدیت کی علمبردار تحریک کو نظری اور فکری سطح پر ترقی پسند تحریک سے شدید اختلاف تھا لیکن یہ بات بھی اپنے آپ میں ایک بڑی حقیقت ہے کہ جدیدیت کی تحریک میں وہ کس بل، پھیلاؤ اور استواری نہیں تھی جو کس بل، پھیلاؤ اور استواری ترقی پسند تحریک کے حصے میں آئی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ اہل قلم کی کہکشاں بے نظیر تھی۔ اس کے برعکس جدیدیت کی تحریک کا دائرۂ اثر محدود تھا۔ اس تحریک سے وابستہ فن کاروں کی تعداد بھی نسبتاً قلیل تھی اس مختصر اور قلیل قافلے میں ندا فاضلی بھی شامل تھے۔ ندا فاضلی نے ماضی کے اپنے بے سروسامانی کے عالم میں گزرے ہوئے ایام سے لے کر آج کے کسی قدر مضبوط اور مستحکم ایام تک اردو ادب کی سمت اور رفتار طے کرنے میں کون سا کردار ادا کیا ہے یہ تو آنے والا کل طے کرے گا لیکن موجودہ منظرنامے کی روشنی میں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اپنی ادبی و شعری کمیت (Quantity) اور خوبی (Quality) کو وسیع کرنے

محمد ایوب واقف (سی کوین ایونیو-بی، فلیٹ نمبر ۵۰۷، ساتویں منزل، سیکٹر ۱۲، کوپر کھیرانے، نئی ممبئی-۴۰۰۷۰۹)

میں انھوں نے کامیابی ضرور حاصل کرلی ہے۔ ان کا ادبی و شعری سفر جو 'لفظوں کا پل' سے شروع ہوا تھا آج ان کے اب تک کے آخری مجموعہ کلام 'زندگی کی تڑپ' تک کشاں کشاں پہنچ چکا ہے۔ ان دونوں شعری مجموعوں کے درمیان کی کڑیاں ان کے نثری اور شعری کارناموں پر مشتمل ہیں جن کے نام 'مور ناچ'، 'آنکھ اور خواب کے درمیان'، 'کھویا ہوا سا کچھ'، 'شہر میرے ساتھ چل'، 'ملاقاتیں'، 'دیواروں کے بیچ'، 'دیواروں کے باہر' اور 'چہرے' وغیرہ ہیں۔ ندا فاضلی شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ ان کی یہ دونوں حیثیتیں اب یقیناً مسلم الثبوت ہو چکی ہیں۔ جہاں تک ندا فاضلی کی شاعری کا تعلق ہے تو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ انھوں نے بیشتر اصناف سخن میں شاعری کی ہے۔ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں اور غزلیں بھی، دوہے بھی کہے ہیں اور گیت بھی۔ ان کی شاعری کی زنبیل میں قطعات بھی ہیں اور رباعیات بھی۔ ہم نے آپ سے عرض کیا ہے کہ ان کا اب تک کا آخری شعری مجموعہ 'زندگی کی تڑپ' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں ان کی نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی، لیکن مذکورہ مجموعہ کلام کی غزلوں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ ندا فاضلی نے انھیں اساتذہ کی زمینوں میں پیش کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ جن اساتذہ سخن کی زمینوں میں غزلیں پیش کی گئی ہیں ان کے نام امیر خسرو، کبیر داس، قلی قطب شاہ، ملا نصرتی، قاضی محمود بحری، ولی دکنی، سودا، میر سوز، نظیر، ناسخ، میر درد، رند، قائم چاند پوری، انعام اللہ یقین، انشا، مومن، غالب، جہاں دار شاہ، شبلی نعمانی، سید مہدی مجروح، اوسط علی رشک، حضور عظیم آبادی، حسین علی تاسف، محمد خاں فائز، حیدر بخش حیدری اور محمد جان شاد لکھنوی۔

ندا فاضلی کے مذکورہ مجموعہ کلام میں آپ کو ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئے گی کہ غزل کے اساتذہ کی صف میں دعا ڈبائیوی کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔ اب یہ بات درست تو نہیں کہی جا سکتی لیکن اخلاقی طور پر میں اس بات کو غلط نہیں سمجھتا۔ جب دعا ڈبائیوی اساتذہ کی صف میں شامل کر لیے گئے ہیں تو پھر ان کا نام پہلے آئے یا بعد میں وہ ایک لایعنی بحث ہو جائے گی۔ پچھلے دنوں ندا فاضلی نے اپنا ۶۶۵ صفحات پر مشتمل کلیات 'شہر میں گاؤں' از راہ خلوص و محبت مجھے روانہ کیا تو دعا ڈبائیوی کو میں نے اس میں اساتذہ کی صف کے آخر میں پایا۔ چلیے یہ بھی اچھا ہوا!

ندا فاضلی صاحب نے جن اساتذہ سخن کی زمینوں میں غزلیں کہی ہیں ان میں کچھ تو شہرت کے آسمان پر پہنچے تھے لیکن کچھ ایسے اساتذہ کی زمینیں منتخب کی گئی ہیں جن کے بارے میں لوگوں کو کم سے کم معلومات ہیں مثلاً جہاں دار شاہ، حضور عظیم آبادی، حسین علی تاسف اور محمد جان شاد لکھنوی۔ بہر حال اساتذہ کی یہ زمینیں ندا فاضلی صاحب کے گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کے ذوق اور پسندیدگی کی غماز ہیں۔ میں اس موقعے پر مولانا شبلی نعمانی کی زمین میں ان کی غزل کو پیش کر کے مضمون کا یہ حصہ ختم کروں گا۔ علامہ شبلی کی ایک مشہور غزل ہے جس کا ایک مصرع اس طرح ہے:

نگہِ ناز کو ہوں غارتِ ہوش پاتے

اب دیکھیے ندا فاضلی نے شبلی کی اس زمین میں غزل کے کیسے کیسے اشعار نکالے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

دوسروں کے لیے آزار نہ ہونے پائے
آدمی اتنا بھی خوددار نہ ہونے پائے
زندگی جیسی ہے ویسی ہی نظر آنے لگے
اس قدر بھی کوئی ہشیار نہ ہونے پائے
کسی مندر، کسی مسجد کی ضرورت ہے یہاں
مفلسی خود سے ہی بیزار نہ ہونے پائے
ہر عدالت اسی مجرم کو بری کرتی ہے
جرم کر کے جو گنہگار نہ ہونے پائے
کہیں لٹتے وہ پرندے کہیں اگتے وہ درخت
ہر جگہ ایک سا بازار نہ ہونے پائے
اس کے ہنستے ہی ہیں ہاں میں بھی نہیں ایسی
کسی تکرار میں انکار نہ ہونے پائے

ندا فاضلی کے خانوادے میں ان کے دو سگے بھائی صبا فاضلی اور تسلیم فاضلی اور ان کی پھوپھی کے ایک بیٹے وسیم فاضلی بھی شاعری کرتے تھے۔ خود ندا فاضلی کی والدہ جمیل فاطمہ بھی شاعرہ تھیں لیکن ہم ان تمام کے اشعار کے حوالے دینے سے قاصر ہیں۔

'اردو شاعری کے کچھ مشہور گھرانوں' سے متعلق اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اب ہم بیکانیر، راجستھان کے ایک علم پرور اور شاعری کے ممتاز گھرانے کی طرف آتے ہیں۔ شاعری کے اس ممتاز گھرانے کی بنیاد بزرگ اور صاحب اسلوب شاعر شیخ محمد عبداللہ بیدل نے رکھی تھی۔ محمد عبداللہ بیدل یکم جنوری ۱۸۸۸ء کو بیکانیر میں پیدا ہوئے تھے، وہ دنیاوی جاہ و حشمت کے اعتبار سے بھی بہت کامیاب انسان تھے۔ ۱۹۲۳ء میں انھوں نے منصف کے عہدے پر رہ کر کام کیا۔ بیدل صاحب کے بارے میں یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ بیخود دہلوی

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ___ (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org